تکمیلِ اصول و فروع

سید ریاض الحسن صاحب ایڈووکیٹ وسکرٹری لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن

جو لوگ سیاست کو شریعت کی نگرانی اور راہ نمائی سے الگ کر کے آزادہ روی اور اباحت اختیار کر لیتے ہیں ان کی مذمت کرتے ہوئے حافظ سخاوی کہتے ہیں :

ومن اعظم خطأ السلاطين والامراء نظرهم فی سياسات متقدميهم وعملهم بمقتضاها غير نظر فيما ورد به الشرع ثم تسمية افعالهم الخارجة عن الشرع سياسة فان الشرع هو السياسة لا عمل السلطان بهواه ورأيه ووجه خطئهم فی هذا ان مضمون قولهم يقتضی ان الشرع لم يرد مما يكفی فی السياسة فاحتجنا الی تتمة فيما رأيناه فهم يقتلون من لا يجوز قتله ويفعلون ما لا يحل فعله ويسمون ذلك سياسة وهذا تغاظ علی الشريعة يشبه المراغمة وهو قريب من (انا وجدنا آباءنا علی امة وانا علی آثارهم مقتدون)

" بادشاہوں اور امرا کی عظیم ترین غلطیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ شریعت کو نظر انداز کر کے اپنے سے پہلے گزرے ہوئے بادشاہوں اور امرا کی سیاسیات کو دیکھتے اور ان کے مقتضا کے مطابق عمل کرتے ہیں اور اپنے ان شریعت سے خارج کاموں کو سیاست کا نام دیتے ہیں حالانکہ شریعت ہی سیاست ہے نہ کہ بادشاہ کا وہ عمل جو اس کی اپنی خواہش اور رائے پر مبنی ہو۔ ان کی اس غلطی کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ایسا کہنے سے یہ بات لازم آتی ہے کہ شریعت ہمارے سیاسی کاموں کے لیے کافی نہیں ہے اور اس کو

تکمیل کرنے کے لیے ہماری رائے کا دخل ضروری ہے۔ اسی لیے وہ ایسے قتل کرتے ہیں جو ناجائز ہوتے ہیں اور ایسے فعل کرتے ہیں جو حلال نہیں ہوتے اور اسے سیاست کا نام دیتے ہیں۔ یہ شریعت کے خلاف بغاوت کے مترادف ہے اور ایسا ہی ہے جیسے یوں کہا جائے کہ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو جو کرتے دیکھا ہے اس پر گامزن ہیں۔" (الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ ص ۴۸)

یہ کہنا کہ شریعت نے صرف کلیات و اصول بیان کیے ہیں اور جزئیات و فروع کو حالات و زمانہ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے اور یہ کہ اگر جزئیات بھی بیان کر دی جائیں تو شریعت ہر عہد و محل کے لیے قابل عمل نہ رہتی، اسلام پر ایک بہت بڑا حملہ ہے اور اس کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے مترادف ہے۔ بالعموم اس عقیدہ کے حامل افراد سنتِ رسول کو شریعت سازی کا جزو لاینفک تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں کیونکہ زیادہ تر تفصیلات و جزئیات کا ماخذ سنّت ہے۔

اگر تفصیلات و جزئیات کو شریعت سے الگ کر دیا جائے اور صرف اصول اپنا لیے جائیں تو شریعت صرف ایک معاشرے کے لیے بھی قابلِ عمل نہیں رہتی۔ وہ افراد کے ہاتھوں محض کھلونا بن کر رہ جائے گی۔ اس خیال کے لوگ ہر بات کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھال کر فتنہ و فساد برپا کر دیں گے۔ نہ صرف یہ بلکہ معاشرہ مختلف روش اختیار کر سکے گا اور کسی ایک کو بھی غلط یا صحیح کہنا ممکن نہیں ہوگا۔ مثلاً قرآن نے جمعہ کی نماز کی طرف بلائے جانے کا اصول ذکر کر دیا: إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ "جب جمعہ کی نماز کے لیے تمہیں پکارا جائے۔" اب پکارنے کا طریق کار پوری تفصیل سے اذان کی صورت میں اگر بیان نہ کر دیا جاتا تو ہر بستی کے لوگ مختلف آراء قائم کر سکتے ہیں۔ کوئی کہے گا کہ سائرن بجایا جائے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ لاؤڈ سپیکر پر آواز دینا چاہیے وغیرہ وغیرہ۔ ایسا ہی معاملہ وراثت کا بھی ہے۔ انسانی تاریخ کا مطالعہ اس بات کی بین شہادت دیتا ہے کہ جو بھی مصلح کسی قوم میں پیدا ہوا اور اس نے اپنے معاشرے میں تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کی اس نے اپنے آپ کو اگر صرف اصولوں تک محدود رکھا تو وہ کامیاب نہیں ہوا یا بہت تھوڑی حد تک کامیاب ہو سکا، البتہ جن مصلحین نے جزئیات بھی وضع کر دیں وہ معاشرے کو نہ صرف خاطر خواہ حد تک بدلنے میں کامیاب ہوئے بلکہ ان کی لائی ہوئی تبدیلیاں صدیوں تک اثر پذیر رہیں۔ ریلف لنٹن (RALPH LINTON) لکھتا ہے:۔

"جو لیڈر ایک نیا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے اس کے لیے سب سے مشکل بات یہ ہوتی ہے کہ

اسے اُن لوگوں میں کام شروع کرنا پڑتا ہے جو ایک اور قسم کی سوسائٹی کے طرزِ زندگی کی ٹریننگ لے چکے ہوتے ہیں۔ یہ ٹریننگ پیدائش سے شروع ہوتی ہے اور ایک آدمی بالغ ہونے تک غیر شعوری طور پر اس سوسائٹی کے عادات واطوار اپنا چکا ہوتا ہے۔ یہ عادات واطوار بدلے جا سکتے ہیں اگر ایک آدمی کسی دوسری سوسائٹی میں زندگی بسر کرنا شروع کر دے اور رفتہ رفتہ اس میں جذب ہو جائے۔ لیکن یہ تبدیلی اُس وقت تک ناممکن ہے جب تک نئی سوسائٹی نو وارد کے سامنے ایسے نمونہ جاتِ عمل (PATTERNS OF BEHERIM) نہ پیش کرے جن کو وہ براہ راست اور خارجی طور پر (ذاتی رائے کو دخل دیے بغیر) سیکھ سکے۔ جب نئی سوسائٹی میں ایسے نمونہ ہائے عمل کی کمی ہوتی ہے تو ہر شخص کو ہر دفعہ کوئی فعل سرانجام دینے سے پہلے رکنا پڑتا ہے اور خود سوچ بچار کرنی پڑتی ہے اور پھر جو بات ایک شخص کے خیال میں نئی سوسائٹی کے بنیادی تصورات وعقائد کے مطابق ہو گی دوسرا شخص اس سے مختلف رائے کا مالک ہو سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک غیر مختتم سلسلہ ابہام اور غیر ارادی طور پر دخل اندازی شروع ہو جاتی ہے اور جو لوگ ایک نیا معاشرہ جنم دینے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں تھوڑے سے عرصہ کے بعد وہی پرانے عادات[۱] و اطوار اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ صورتِ حال مذہبی فرقوں کی تاریخ میں بارہا دیکھی گئی ہے۔ ایسے فرقوں کے پاس بالعموم تصورات وافراد کا بڑا واضح مجموعہ ہوتا ہے اور ان کے افراد کے مابین بہت مضبوط جذبۂ اتحاد بھی ہوتا ہے۔ لیکن نظریات وافکار کا اظہار تفصیلی وجزئی نمونہ جاتِ عمل کی صورت میں خارج میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس سوسائٹی کے عادات واطوار کی طرف لوٹ جاتے ہیں جس سے اس فرقے کے زیادہ پیرو تعلق رکھتے ہیں۔ اپنی عادات واطوار کی نئے عقائد کی روشنی میں تشریح وتاویل کی گنجائش ہوتی ہے اس لیے اس ساری کارروائی کے دوران ان عادات واطوار میں بہت معمولی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔

کامیاب معاشرتی انقلاب صرف اسی صورت میں بپا ہوتے ہیں جہاں نئے معاشرے کے نقشہ میں جزئیات وتفصیلات کی بہت بڑی مقدار خارجی طور پر موجود تھی۔ ایسے ضوابط کے مجموعہ کا حصول ایسے فرقے کے لیے ممکن العمل ہوتا ہے جن کا بانی اور اس کے بلا فصل جانشین معاشرے پر مکمل اختیارات کے مالک ہوں۔ احوال وواقعات کی نئی نئی صورتیں پیغمبر ﷺ کے سامنے آتی ہیں اور جو صورتِ عمل وہ ہر معاملے

[۱] یہ الفاظ لکھتے وقت اس کے ذہن میں غالباً پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال تھی مگر تعصب (باقی حاشیہ بر صفحہ ۲۵)

میں وضع کرتا ہے۔ وہ آئندہ کے لیے ایسے ہی معاملات کے لیے نظیر (PRECEDENT) بن جاتی ہے۔ بالآخر وہ نظائر اتنی بھاری مقدار میں جمع ہو جاتے ہیں کہ انسانی افراد کا کوئی بھی گروہ ان کے مطابق اپنی اجتماعی زندگی بسر کرسکتا ہے اور نئے شامل ہونے والے افراد (OBJECTIVELY) خارجی طور پر (اپنی رائے اور خواہش کو شامل کیے بغیر) نئے افعال و عادات کو سیکھ سکتے ہیں۔ مثلاً کنفیوشس نے افراد کے باہمی معاملات کو بہت اہمیت دی اور اس کے لیے اپنے سسٹم میں قواعد و ضوابط کی بہت بڑی مقدار کو شامل کیا۔ وہ صرف نظریات و اقدار پر مشتمل ضابطۂ حیات کا ڈھانچہ مرتب کرنے پر قانع نہیں رہا بلکہ اس نے ان نظریات و اقدار پر مبنی واقعی (CONCRETE) صورتیں بھی وضع کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ چینی معاشرے پر دو ہزار سال سے زیادہ عرصے کے لیے نہایت کامیابی سے اثر انداز رہا۔"

(مطالعۂ انسان (STUDY OF MAN - 96، 97)

یہ اقتباس ریلف لنٹن کی ذاتی رائے نہیں اور نہ یہ اس کا ایک فلسفیانہ نظریہ ہے بلکہ یہ ایک سائنٹفک حقیقت ہے جو اس نے بنی نوع انسان کے سینکڑوں معاشروں کے سائنٹفک تجزیہ و استقراء کے بعد بیان کی ہے۔ اس کو سامنے رکھ کر اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور ان کے ساتھیوں کی زندگی کا ریکارڈ جو سنت و آثار کی شکل میں محدثین نے محفوظ کیا ہے کس قدر قیمتی ہے: علامہ اقبال نے بالکل درست فرمایا ہے کہ محدثین کا یہ کام اسلام کی عظیم خدمت ہے۔ دوسری طرف اس میں بھی کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا کہ جو لوگ شریعت کی بنیاد میں اس گراں قدر سرمایہ کے بغیر قائم کرنے کی وکالت کرتے ہیں وہ یا اسلام کے بہت ہی نادان دوست ہیں یا سخت دشمن۔

عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ یہ دعوی کرتے ہیں کہ شریعت نے صرف اصول بیان کیے ہیں اور تفصیلات کا ذکر نہیں کیا وہ اپنی دلیل میں کوئی مثال نہیں دے سکتے۔ آج تک کوئی شخص بھی کسی ایک صورت حال کی نشان دہی نہیں کرسکا جس کا لائحہ عمل شریعت نے تجویز نہ کیا ہو۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے علاوہ نکاح،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲) کی وجہ سے وہ مکمل کر نہ کہہ سکا۔ کیونکہ ایسا اور کوئی پیغمبر نہیں ہوا جو خود اور اس کے بلا فصل جانشین اپنے معاشرے پر حکمران تھے اور اس طرح ایک نیا معاشرہ تشکیل دے کر وہ ایک جامع و مکمل اور مفصل ضابطۂ حیات کا نمونہ مرتب کر گئے۔

طلاق، وراثت، اوقاف، بیع و شراء، شرکت و مضاربت، بیت المال کے ذرائع آمدنی اور اس کے مصارف، حاکم کے حقوق و فرائض، مسلم اور غیر مسلم (ذمی) شہری کے حقوق و فرائض، قتال، جرائم و عقوبات، غرضیکہ ایک آدمی کے پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک کسی بھی حالت میں اُسے جونسی صورت حال بھی پیش آسکتی ہے شریعت نے اُس کو ضرور اپنا موضوع بنایا ہے۔

اصول فقہ میں قیاس کو بالاتفاق اسلامی قانون کا ماخذ تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ فقہاء کے نزدیک کوئی مسئلہ ایسا در پیش نہیں آسکتا جس کی نظیر کتاب و سنت کے سرمایہ سے تلاش نہ کی جا سکتی ہو۔ جب ایک مجتہد قیاس سے کام لیتا ہے تو وہ صرف یہ معلوم کرتا ہے کہ اگر یہ معاملہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش آتا تو آپ کیا فرماتے۔ وہ اپنی ذاتی رائے پر ہرگز انحصار نہیں کرسکتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ہی ارشاد فرما دیا ہے جو دارمی نے ابو سلمہ سے روایت کیا ہے: "آپ سے ان باتوں کی نسبت پوچھا گیا جو نئی نئی پیش آئیں گی تو فرمایا کہ علماء اُس وقت ان میں غور کریں گے"۔ اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ شریعت کا عالم اگر غور کرے تو ہر نئی پیش آنے والی بات کی نظیر مل سکتی ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وبالجملة فعلی المؤمن ان یعلم ان النبی صلی اللہ علیه وسلم لم یترك شیئًا یقرب الی الجنة الا وقد حدث به ولا شیئًا یبعد عن النار الا وقد حدث به وان هذا السماع لو کان مصلحة شرعه اللہ ورسوله فان اللہ یقول (الیوم اکملت لکم دینکم) واذا وجد السامع به منفعة لقلبه ولم یجد شاهد ذلك من کتاب اللہ ولا من سنة رسوله لم یلتفت الیه اذا رأی قیاسًا لا یشهد له الکتاب والسنة لم یلتفت الیه۔

"یعنی مومن کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی بات نہیں چھوڑی جو جنت کے قریب کرتی ہو اور آپ نے بیان نہ کر دی ہو۔ اسی طرح کوئی ایسی بات بھی نہیں چھوڑی جو جہنم سے دور کرتی ہو اور آپ نے بیان نہ کی ہو۔ اور اگر سماع میں کوئی مصلحت ہوتی تو اللہ اور اس کا رسول ضرور اس کی اجازت دیتے کیونکہ اللہ نے کہا ہے "آج کے دن میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے"۔ جب سماع سننے والے کا دل اس کی طرف مائل ہو لیکن اُسے اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت سے اس کے حق

ہیں کوئی دلیل نہ ملے اور نہ کوئی نظیر ہی دستیاب ہو تو اس سے گریز کرے۔"

(الرسالۃ فی السماع والرقص ۱۷۶)

اور "معارج الوصول" میں تو امام صاحب نے بہت شرح وبسط کے ساتھ اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے انہوں نے ایک باب کا نام ہی یہی رکھا ہے:

فصل فی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیّن الدین اصولہ وفروعہ، باطنہ وظاھرہ علمہ وعملہ فان ھذا الاصل ھو اصل اصول العلم والایمان وکل من کان اعظم اعتصاما بھذا الاصل کان اولیٰ بالحق علماً وعملاً۔

(معارج الوصول ص ۱۸۱)

"باب اس بیان میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے اصول وفروع باطن وظاہر، علم وعمل تمام بیان کر دیے ہیں اور بیشک یہی اصول علم وایمان کی بنیاد ہے اور جس کسی نے جتنی زیادہ اس بنیاد سے وابستگی اختیار کی وہ اتنا ہی علمی اور عملی طور پر حق کے قریب رہا۔"

ہم اس کتاب میں سے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں:

ولا نعلم مسألۃ واحدۃ اتفقوا علی انہ لانص فیھا (ص ۱۱)

"اور ہم کسی ایسے مسئلے سے واقف نہیں ہیں جس کے بارے میں بالاتفاق یہ کہا جاتا ہو کہ اس کے بارے میں کوئی دلیل شرعی موجود نہیں ہے۔"

واما العملیات وما تسمیہ الناس الفروع والشرع والفقہ فھذا قد بیّنہ الرسول احسن بیان فما شئ مما امر اللہ او نھی عنہ او حللہ او حرمہ الا بیّن ذلک وقد قال اللہ تعالیٰ (الیوم اکملت لکم دینکم) وقال تعالیٰ (وما کان حدیثاً یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل کل شئ وھدی ورحمۃ لقوم یؤمنون) وقال تعالیٰ (ونزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شئ وھدی ورحمۃ لقوم یومنون) وقال تعالیٰ (وما کان اللہ لیضل قوماً بعد اذ ھداھم حتی یبیّن لھم ما یتقون) فقد بیّن للمسلمین جمیع ما یتقون کما قال (وقد فصل لکم ما حرم علیکم الا ما اضطررتم الیہ) وقال تعالیٰ (فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول)

وهو الرد الی کتاب اللہ والی سنۃ الرسول بعد موتہ، وقولہٗ (فان تنازعتم) شرط والفعل نکرۃ فی سیاق الشرط فای شئ تنازعوا فیہ ردوہ الی اللہ والرسول ولولم یکن بیان اللہ والرسول فاصلاً للنزاع لم یؤمروا بالرد الیہ۔ (ص ۱۹۴)

"اور عملیات جنہیں لوگ فروع، شریعت اور فقہ بھی کہتے ہیں، ان سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اچھے طریقے سے بیان کر دیا ہے۔ پس کوئی شے ایسی نہیں جس کا اللہ نے حکم دیا ہو یا اس سے منع کیا ہو یا اسے حلال کیا ہو یا حرام، اسے بیان نہ کر دیا گیا ہو۔ اللہ نے کہا ہے کہ "آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا ہے"۔ اور فرمایا "کچھ بنائی ہوئی بات نہیں لیکن موافق ہے اس کلام کے جو اس سے پہلے ہے اور بیان ہر چیز کا اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں"۔ اور "اتاری ہم نے آپ پر کتاب جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت و رحمت"۔ اور فرمایا: "اللہ ایسا نہیں ہے کہ گمراہ کرے کسی قوم کو بعد ہدایت دینے کے جب تک کہ وہ سب کچھ بیان نہ کر دے جس سے ان کو پرہیزگاری اختیار کرنی ہے"۔ پس مسلمانوں کے لیے وہ سب کچھ بیان کر دیا گیا جو متقی بننے کے لیے ضروری ہے، جیسا کہ فرمایا: "جو جو چیز تمہارے لیے حرام ہے اس کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے"۔ اور "اگر تمہارے مابین کسی چیز پر نزاع واقع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ"۔ اور یہ لوٹانا ہے اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کی طرف اس کی وفات کے بعد۔ جملہ "فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ" شرطیہ ہے اور شرط کے بعد فعل نکرہ ہے یعنی ہر وہ چیز جس کے بارے میں نزاع واقع ہو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹاؤ۔ اور اللہ اور رسول کا بیان نزاع کا فیصلہ نہیں کر سکتا تو اس کی طرف لوٹانے کا حکم ہی نہ دیا جاتا۔

واکثر المتاخرین الذین لم یعرفوا ذلک فطلبوا الحکم مما اعتقدوہ من اجماع او قیاس ومن قال من المتاخرین ان الاجماع مستند معظم الشریعۃ فقد اخبر عن حالہ فانہ تنقص معرفتہ بالکتاب والسنۃ احتاج الی ذلک ـــ وھذا کقولھم ان اکثر الحوادث یحتاج فیما الی القیاس لعدم دلالۃ النصوص علیھا فانما ھذا قول من لا معرفۃ لہ بالکتاب والسنۃ ودلالتھما علی الاحکام وقد قال الامام احمد رضی اللہ عنہ انہ مامن مسئلۃ الا وقد تکلم فیھا الصحابۃ او فی نظیرھا فانہ لما فتحت البلاد وانتشر الاسلام حدثت جمیع اجناس الاعمال

فتکلموا فیھا بالکتاب والسنۃ۔ (ص ۲۱۳)

" اکثر متاخرین جو اسے اچھی طرح نہیں سمجھتے وہ اجماع اور قیاس سے دلیل شرعی طلب کرتے ہیں اور ان میں سے جو اس بات کا قائل ہے کہ اجماع شریعت میں ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے اس کی کتاب و سنت کی سمجھ ناقص ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ اکثر واقعات جن میں قیاس کی ضرورت پیش آتی ہے ان پر نصوص شرعیہ دلالت نہیں کرتیں۔ یہ بات تو وہی کہہ سکتا ہے جسے کتاب و سنت کا اور جس بات پر وہ دلالت کرتی ہے کچھ پتہ نہ ہو۔ امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس پر صحابہ کرامؓ نے بالصراحت یا اس کی نظیر سے متعلق کلام نہ کر دیا ہو کیونکہ جب مختلف شہر فتح ہوئے اور اسلام پھیلا تو ہر قسم کے مسائل پیدا ہوئے جن پر صحابہؓ نے کتاب و سنت کے دلائل کی مدد سے روشنی ڈالی۔"

امام غزالیؒ نے لکھا ہے:

الصحیح ان الاستدلال المرسل فی الشرع لا یتصور حتی یتکلم فیہ بنفی او اثبات اذ الوقائع لا حصر لھا وکذا المصالح وما مسألۃ تعرض الا وفی الشرع دلیل علیہ اما بالقبول او بالرد (الی ان قال) فنخرج منہ ان کل مصلحۃ یتخیل فی کل واقعۃ محنوشۃ بالاصول المتعارضۃ ولا بد وان تشھد الاصول لردھا اولقبولھا فاما تقدیر جریانھا مھملا غفلا لا یلاحظ اصلا فمحال تخیلا۔

(المنخول ص ۱۳۲)

"صحیح بات یہ ہے کہ شریعت میں ایسے استدلال کا تصور ممکن نہیں جس کا رشتہ اصل ماخذ سے نہ ملتا ہو۔ خواہ واقعات و مصلحتیں لا انتہا ہیں مگر ان کے بارے میں نفی یا اثبات میں گفتگو نہیں کی جا سکتی کیونکہ کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس کے متعلق شریعت میں اس کے حق میں یا اس کے خلاف دلائل موجود نہ ہوں۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ ہر واقعہ میں جو کوئی مصلحت بھی متصور ہو سکتی ہے اس کے خلاف یا اس کے حق میں شہادت موجود ہے۔ پس ایسی صورت جو کسی اصل سے نہ جا ملتی ہو اس کا تخیل محال ہے۔"

(باقی)